

سان نے جیب سے کنگھی نکالی اپنے نم آلو دال درست کئے اور کری سے الٹو کھڑا ہوا۔ تمام شب کی بینچ کے اس کے جسم کو بری طرح اکڑا دیا تھا۔ اس نے اپنی سفید برساتی آتار کر پازو پر ڈال لی اور پاسکل کی جانب دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے اسی طرح اپنے بٹن سے کھیل رہی تھی۔

”پاسکل!“

پاسکل نے اپنی پلکیں اوپر اٹھا دیں۔ سان کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں بالکل ایک آئینے کی مانند شفاف ہیں اور جن میں فرانس کے سمندر کی نیلا ہٹ کا عکس جملک رہا ہے۔

”کیا یہیں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟“

پاسکل خاموش رہی۔

”آپ کی اطلاع کے لیے یہ سیراب واپس انگلستان ہی جائے گا افریقہ وغیرہ نہیں اس لیے بھتری ہی ہے کہ آپ چپکے سے یہاں سے اٹھیں اور بندرگاہ پر اتر جائیں۔“

”تم جا کر گاڑی میں بیٹھو میں خود آ جاؤں گی۔“

سان نے پاسکل کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ اترنا ہوا تھا اور وہ بے حد اداں نظر آ رہی تھی۔ سان کو حیرت ہوئی کہ اس لڑکی کے چہرے کے تاثرات پل بمر میں کس طرح بدل جاتے ہیں۔ معمومیت اور نہی کی جگہ پر مردگی اور اداہی تھی۔ بادل نخواستہ سان نے اپنا سامان اٹھایا اور بندرگاہ کو اترنے والی سیریمی کی طرف بڑھا۔ اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ لڑکی گاڑی کے کسی اور ڈبے میں سوار ہو جائے یا سرے سے سوار ہی نہ ہو اور وہ اسے ہیشہ کے لیے کھو دے۔ اس خیال نے اسے بے حد اداں کر دیا اور وہ فوراً واپس اسی جگہ آگیا جہاں پاسکل ابھی تک نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

”پاسکل!“

پائل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ میں نمی

تھی۔

”میں تمہارا سوٹ کیس اٹھالیتا ہوں۔“

پائل مسکرا دی مگر اس کی مسکراہٹ میں شوئی کی بجائے اداہی کا پسلو تھا۔

ویڈی ڈینر نے میرا سامان لذن سے بک کروا دیا تھا۔ میرے پاس سوائے اس سرخ کوٹ اور پینڈ بیگ کے اور کچھ نہیں۔“

شان وہیں کھڑا رہا۔ وہ جانتا چاہتا تھا کہ یہ لڑکی اس کے ساتھ چلنے میں جبکہ کیوں محسوس کر رہی ہے۔

”اچھا تو پھر کم از کم گاڑی تک تو میرے ساتھ چلو۔“ شان نے نمائیت نرمی سے درخواست کی۔ ”میں پہلی مرتبہ فرانس کی سر زمین پر قدم رکھ رہا ہوں اور مجھے راہنمائی کی ضرورت ہے۔“

”ایک سیاح کو راہنمائی کی ضرورت کیسے پیش آگئی۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کبھی کبھار ایک تجربہ کار سیاح بھی کسی ایسے دورا ہے پر آکھڑا ہوتا ہے جہاں سے منزل کی سمت کا تعین کرنا بے حد دشوار ہو جاتا ہے۔“

پائل ہنس دی۔ اپنا سرخ کوٹ بازو پر رکھا اور بالکل ناک کی سیدھے میں دیکھتے ہوئے بڑی خود اعتمادی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”محترمہ پہلے آپ۔“ شان نے شولری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھک کر کہا۔ وہ بے حد مسروپ نظر آ رہا تھا۔

”شکریہ۔“ پائل نے اپنی نیلی آنکھیں ایک لمحہ کے لیے شان پر جما دیں۔ شان اسی طرح جھکا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ وہ قدرے جھبکی اور پھر بند رگاہ کو اترتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب رخ کر کے چلنا شروع کر دیا۔ شان سیدھا ہو کر اس کے پیچے چلنے کو تھا۔ مگر چل نہ سکا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس رک گیا ہو۔ اس کے قدم عرشے کی گیلی لکڑی پر میخوں سے ٹھونک دیے گئے ہوں۔ وہ جو

پکھے دیکھے رہا تھا وہ قدرت کا ایک بھی انک مذاق تھا۔ خالق اپنے حقیقی عمل میں کمیں چوک گیا تھا۔ وہ چل نہیں رہی تھی بلکہ چلنے کی انتہا کو شش میں مصروف تھی۔ لڑکھڑاتی ٹھوکریں کھاتی پاسکل! وہ لٹکڑی تھی۔

بے بسی اور غصے کے جذبات سے نان کا دماغ دینکنے لگا اور اس نے اپنے بیسے میں اس بے بس لڑکی کے لئے بے پناہ ہمدردی اور رحم کی ایک ایسی لبردوڑتی ہوئی محسوس کی جس نے اس کے سارے جسم کو سن کر کے رکھ دیا۔ وہ اسی آرام کری کے پاس بے حس و حرکت کھڑا نکلکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ پاسکل ایک ہاتھ اپنی ران پر نجتی سے دبائے بے حد تکلیف وہ انداز میں لٹکڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ سیردمی کے قریب پہنچ کر وہ لختہ بھر کے لیے رکی اور پھر آہستہ سے پیچھے مڑ گر نان کی جانب دیکھا۔

”کیا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟“ اس کے باریک ہونٹوں پر حزن آمیز تباہ کھیل رہا تھا۔

نان نے بے یقینی کے عالم میں ایک مرتبہ سر کو جھکتا اور اسی طرح گم سم تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

پاسکل کی آنکھوں میں نمی تھی۔

”مجھے معلوم ہے“ اس نے کہتا شروع کیا۔ ”تمارے دل میں اس وقت میرے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات موجز نہیں۔“

”ہوں۔“ نان ایک دم اس بھی انک خواب سے بیدار ہو گیا۔ ”نہیں ایسا تو نہیں۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”مجھے جھوٹ پسند نہیں۔ سب لوگ مجھ پر ترس کھاتے ہیں۔ میں ہی شہ سے رحم کے جذبات کی بھکاری بن جاتی ہوں۔ تم دوسروں سے مختلف نہیں ہو۔“

وہ خاموش کھڑا اس کے اواس چہرے اور پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو دیکھتا رہا۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا تا۔۔۔ ذیڈی ذیر مجھے بے حد چاہتے ہیں۔ میری سولوں

سالکہ پر انہوں نے مجھے ایک تیز رفتار سپورٹس کار تھنے میں دی۔ ستر ہویں سالکہ آئے سے پہلے ہی ایک خزاں رسیدہ شب کو نو ہنگم کے شیر و ڈ جنگل میں میرا حادثہ ہو گیا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے۔“ سنان اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ انگریزی زبان میں ہمدردی اور افسوس کے جذبات کا اظہار کس قدر مشکل بلکہ ہامکن ہو جاتا ہے۔

”کوئی بات نہیں۔“ اس نے تھنی سے کہا۔ ”میں اب عادی ہو چکی ہوں“ دیکھا تم دونوں کا واپس انگلستان جانے کا ارادہ ہے؟“ بندرگاہ پر کھڑے سیٹر کے پکتائی نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر زور سے کہا۔ ”تمارے سوا تمام مسافراں ترکے ہیں۔“

سنان نے سرخ گوٹ اس کے بازو سے اٹھا لیا اور دونوں آہستہ آہستہ یہڑھیوں سے نیچے اتر گئے۔

ہنگم سے فارغ ہو کر وہ بندرگاہ کے پہلو میں واقع ڈکٹر کن کے ریلوے شیشن پر آگئے جمال پیرس جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی ڈبے میں سوار ہو گئے۔

آئندہ مسافروں کے چھوٹے سے ڈبے میں ان دونوں کے علاوہ صرف تین راہبائیں سوار تھیں جو ہاتھوں میں تسبیحیں تھامے آنکھیں بند کیے عبادت میں مگر تھیں۔

سفر کے دوران میں سارا عرصہ پاسکل خاموش بیٹھی کھڑکی سے باہر نکلتی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے ڈبے میں سوار دوسرے مسافروں اور سنان کی موجودگی کا احساس تک نہیں اور وہ اکیلی خلا میں سفر کر رہی ہے۔

سنان کو معلوم تھا کہ ہر سال انہی راہوں سے گزرنے والی اس بے بس لڑکی کو ڈبے سے باہر گزرتے ہوئے فرانس کے دیسی مناظر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان سربرز کھیتوں اور وسیع چراگاہوں کے دامن میں پھیلی ہوئی اجلی اجلی وہند کو اس سے پہلے بھی کتنی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ یہ گھنے جنگل اور چمکیلی ندیاں اس کے لیے ابھی نہ تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں جنہیں دیکھ کر سنان کو ایران کا نیلا آسمان یاد آگیا تھا کسی اور جہان میں تھیں۔

سنان اس کے حسن میں حزن و ملال کے روگ کو جان گیا تھا۔ اسے اب احساس ہوا کہ وہ اتنی خوبصورت ہوتے ہوئے بھی پیرس کی پروفسو شامیں دریائے سین کے کناروں پر اکیلی ہی کیوں گزار دیتی ہے۔ سیاحت اور جہاں گردی اس کے لیے دیوانے کا خواب کیوں نہیں — وہ اپاہج تھی — وہ سیپر پر اس آرام کری سے اٹھنے میں جھبک کیوں رہی تھی — خالق اپنے تخلیقی عمل میں نہیں چوکا تھا بلکہ انسانی ساختہ ایک لوہے کے ڈھیر نے مکمل تخلیق کا حسن داندار کر دیا تھا۔

چھپلے چھ ماہ کی جہاں گردی کے دوران میں سنان کو کسی ملک میں بھی کسی الی بوسی ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا حتیٰ ایک مرتبہ پھر ملنے کی ہوک اس کے دل سے اتنی شدت سے انھی ہو۔ وہ اس لڑکی کو دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ وہ کسی قیمت پر بھی گاڑی کے اس سفر کے انتظام پر ”رفاقت کا شکریہ“، ”خدا حافظ“ جیسے کھوکھلے الفاظ ادا کر کے اس سے بیشہ کے لیے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ سنان چاہتا تھا کہ پاسکل کی اداس نیلی آنکھیں پھر سے مکرانے لگیں۔

”پاسکل!“ اس نے کھڑکی کا شیشہ بجا کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

”ہوں۔“ اس کی نیلگوں آنکھیں کانچ کی گولیوں کی طرح بے جان تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی بھی انک خواب دیکھ رہی ہو۔

”تم اگر پسند کرو تو پیرس پہنچنے پر میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں گا۔“ سنان نے مسکراتے ہوئے پیش کش کی۔

”اس کی ضرورت نہیں۔“

”لیکن مجھے خوشی ہو گی۔“

”میں نے کہا تا اس کی ضرورت نہیں۔ میری خالہ مجھے شیش پر لینے آ رہی ہیں۔“ وہ بدستور باہر دیکھتی رہی۔

”پاسکل!“ سنان نے ایک مرتبہ پھر کھڑکی کا شیشہ ٹھکھنایا۔ ”کیا تم اس سفر کے خاتمے پر آج شام مجھے کہیں مل سکتی ہو؟“

اس نے ایک دم پلٹ کر سنان کی جانب یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی انسوںی بات کہہ دی ہو۔ ”وہ کس لیے؟“

”میں چاہتا ہوں کہ تم شام کو دریائے سین کے کنارے اب اکیلی نہ گھومو۔ میں تمہارا ساتھ وہنا چاہتا ہوں۔“

پاسکل نے ہنستا شروع کر دیا مگر اس کی بھی سنان کو بے حد ڈراونی گئی۔

”میں جانتی ہوں میرا چڑھے بے حد دل کش ہے۔“ وہ کہنے لگی۔ ”مگر اس کا کیا کیا

جائے کہ اس چرے کا حسن کسی خم تاریک قوہ خانے کے کونے میں پڑی ہوئی کرسی پر
صرف بیٹھے رہنے کی حد تک ہی محدود ہے۔ اٹھ کر چلنے کی تکلیف وہ کوشش اسی دل
کش چرے کو لانتائی بد صورت بنا دیتی ہے۔ اور انسان ساری زندگی ایک کونے میں
بیٹھے تو گزار نہیں سکتا۔“

”ان باتوں کا زندگی کے حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔“ سنان نے جذباتی ہو
کر کہا۔

”تم مجھے زندگی کے حقائق کے بارے میں بتا رہے ہو؟“ اس نے دکھ سے کہا۔
جس طرح ایک ہی زمین پر جب ایک لکیر سرحد کی صورت میں کھج جاتی ہے تو اس
طرح وجود میں آنے والے دو ملکوں کے لیے سچائی کے پیمانے بھی ایک دوسرے سے
بالکل الٹ ہو جاتے ہیں اسی طرح زندگی کے حقائق بھی ہر انسان کے لیے مختلف
ہوتے ہیں۔ تمہارے جیسے سیاح کے لیے زندگی کے حقائق ہیں۔۔۔ ابھی دیسوں کی
پکار پر گھر سے نکل کھڑے ہونا۔۔۔ سہری وادیوں کے خواب جو بعد میں حقیقت کا
روپ دھار لیتے ہیں اور ایک لاابالی اور ہنگامہ خیز زندگی۔۔۔ اور میرے جیسی اپاچ اور
لاچار لڑکی کے لیے۔۔۔ آرام وہ کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ کر فیشن کے رسائے
پڑھنا، کنبوں کی ورق گروانی کرنا۔۔۔ پھر وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھے باہر تکتے رہتے۔۔۔
لوگوں کے جذبات کو اپنے دل کی چھلنی میں چھان کر یہ دیکھنا کہ رحم کے جذبات کے
علاوہ کوئی چھوٹا موٹا ذرہ شاید محبت کا بھی ہو۔۔۔ اور پھر۔۔۔ نرم بستر پر ڈیندی یا خالہ
کے تھکنے سے ایسے سو جانا جیسے میں بیس بائیس برس کی نوجوان لڑکی نہیں بلکہ ایک
اسی چھوٹی سی بچی ہوں جو غبارہ گم ہو جانے پر بے حد غمگین ہو اور سونہ سکتی ہو۔۔۔“
”ان بے رحم حقائق کو اگر نظر انداز کر کے ایک خوشنگوار زندگی گزارنے کی
کوشش کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟“

”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے کوشش نہیں کی؟“ پاسکل نے سر جھٹک کر کہا
”پہلے پہل میرے جانے والے لڑکیاں میری تمارداری کرنے آتے رہے۔۔۔“

”پاسکل تم جلد ہی اچھی ہو جاؤ گی۔ پھر ہم سب رابن ٹپ کے قلعہ کی سیر کو جائیں گے۔ جیسیں کی سالگرہ پر ہم سب تمیں Get Well کا کیک پیش کریں گے۔“ پھر وقت مزراتا گیا اور میں اچھی نہ ہوئی۔ مینوں بعد میری کوئی سیلی ادھر آنکھی ”اوہ سوری پاسکل“ وہ کہتی۔ ”وراصل مصروفیت ہی اس قدر ہو گئی ہے کہ میں تمیں دیکھنے نہ آسکی۔ کل ہم لوگ کپک پر چلے گئے۔ کاش تم بھی ہمارے ساتھ جا سکتیں۔ بڑا مزا آیا۔“ ایک دو مرتبہ مجھے پارٹوں پر بھی مدعو کیا گیا۔ میں ایک کونے میں بیٹھی دوسراے لوگوں کی طرف حضرت بھری نظروں سے تکتی رہتی۔ لڑکے میرے پاس آ کر بڑی شانگلی سے میرا حال دریافت کرتے اور پھر میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی کسی لڑکی کو لے کر رقص کرنے لگتے۔ تم شاید ایک مشرقی ہونے کی حیثیت سے اس کا احساس نہ کر سکو کہ ایک مغربی لڑکی کے لیے اس طرح الگ تھلگ ہو جانا کتنا بڑا سانحہ ہے۔ پھر میں نے کہیں بھی آنا جانا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئی۔ میری اسی تھانی کو دور کرنے کے لیے ڈیڈی مجھے ہر سال چند ماہ کے لیے خالہ کے ہاں پیرس بیجھ دیتے ہیں۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نومنگھم میں میرے کمرے کی کھڑکی سے شیروڑ جنگل کے چند درخت و کھائی دیتے ہیں اور پیرس میں اسی قسم کی ایک کھڑکی سے فٹ پاٹھ کا ایک حصہ اور شاہ بلوط کے درخت نظر آتے ہیں۔ جگہ بدل جاتی ہے مگر تھانی نہیں جاتی۔“

نان خاموشی سے اس کی محرومیت کی داستان سنتا رہا۔ وہ اب پہلے سے کہیں زیادہ اس لڑکی کو دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔

ڈبے میں بیٹھی ہوئی راہباؤں کے سجدہ چرے اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ عبادت میں اتنی زیادہ مگن نہ تھیں کہ پاسکل کی باتیں ان کے کانوں میں نہ پڑتیں۔ پاسکل خاموش ہوئی تو ان تینوں نے بیک وقت نظریں انھا کر اس کی جانب دیکھا جیسے نہ رہی ہوں ”بیٹی ہمیں بھی تم سے ہمدردی ہے۔“

”میں اب بھی بھی کہوں گا کہ میری ولی خواہش یہی ہے کہ ہم دونوں پیرس میں ضرور

میں۔ ”سان نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے کہا۔

”سوچ لو“ پاسکل نے میز پر کہنیاں رکھ کر اپنا چہہ ہتھیلیوں پر جاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں سان پر مگلی تھیں۔ ”میں جب تمہارے ساتھ چلوں گی تو بوزہمی عورتیں آپس میں گھُمر پھُسر کریں گی۔ لڑکیاں کہیں گی ایسے قول صورت مشتعل نوجوان کو پورے پیرس میں ایک اپاچ لڑکی پسند آئی۔ اور فرانسیسی مرد جن کے لیے عورت کی خوبصورتی کے پیلانے کو لوں سے اوپر نہیں جاتے تمہاری عقل پر ماتم کریں گے۔ تفحیک ہو گی تمہاری!“

”تم مجھے ان سطحی دلائل سے قائل نہیں کر سکتیں۔“ سان نرمی سے بولا۔

”تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں؟ کیا کوئی بھی لڑکی کسی لڑکے کو اپنی بد صورتی کے بارے میں قائل کرنا چاہتی ہے؟“

”تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتیں؟“

”میں نے کہا تھا تفحیک ہو گی تمہاری۔“

”ایک ایسے ماحول میں جہاں میں مکمل طور پر اجنبی ہوں گا میری کیا تفحیک ہو سکتی ہے؟ میں نے تو پچھلی شب تمہاری آنکھیں دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ کر لیا تھا میں تمہیں دوبارہ ملنے کے لیے کہوں گا۔“

”جب میں آج صحیح آرام کری سے اٹھ کر عرش پر نکلا تھی ہوئی چلی جا رہی تھی تب کیا تم نے اپنا ارادہ بدل نہیں دیا تھا؟“

”بالکل نہیں۔ بلکہ تمہاری بے بی نے میرے اس ارادے کو اور تقویت بخشی تھی۔“

”بے بی؟“ پاسکل بھڑک اٹھی۔ ”بس میں اس لفظ سے خائف ہوں۔ بے بی، رحم یہ جذبات تو لوگ جانوروں کے لیے بھی محسوس کرتے ہیں۔ مجھے ان کی چاہت نہیں۔ لوگ پہلے پہل میرے حسین چہرے کو دیکھ مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر بیٹھتے ہیں مگر بعد میں جب وہ چہرہ ان کی نظروں سے او جھل ہو جاتا ہے تو انہیں صرف

میرا اپنے پن یاد رہتا ہے اور وہ مجھ سے نہ مٹنے کے لیے جیلے بمانے خلاش کرنے لگتے ہیں۔“

سان سوچ میں پڑ گیا۔ اسے خیال آیا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی اسے ذاتی طور پر سرے سے پسند ہی نہ کرتی ہو اور پہلی شب کی خونگوار رفاقت کے مد نظر اس کی دل ٹھنٹی سے اعتراض کر رہی ہو۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“ سان نے افسرده ہو کر کہا۔ ”تم اگر ذاتی طور پر مجھے پسند نہیں کرتیں تو میں تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتا۔“

”بالکل نہیں۔“ اس کے لبھ کی بے اختیاری سان کے لیے جیان کن تھی۔

”پسند! میرا مطلب ہے ضرور۔ میں تمہیں ملنا چاہتی ہوں۔ ضرور۔“

اس نے پھول کی طرح بار بار اس طرح سر کو جنبش دی جیسے وہ اپنے جذبات کو پوری طرح بیان کرنے سے قاصر ہو۔

سان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ شست سے نیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ جیب سے سگرٹ نکال کر سلگایا اور سکرانے لگا۔

”میں پیرس میں اجنبی ہوں۔ تم کوئی سی جگہ منتخب کر کے کافند کے نکٹے پر نام لکھ دو میں پہنچ جاؤں گا۔“

پاسکل بدستور مسکرائے چلی جا رہی تھی اور سر بھی ہلا رہی تھی۔

”یہ کیا میکائی کھلونوں کی طرح سرہلاتی جا رہی ہو۔ میں نے جگہ کے بارے میں ریافت کیا ہے۔“

”اوہ“ پاسکل ایک دم ہس دی۔ ”خالہ بھی ہیشہ یہی کرتی ہیں کہ میری یہ عادت کل پھول جنسی ہے۔“

”تمہاری بہت یہی عادتیں پھول جیسی ہیں بہر حال پہلے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کہاں ملنا مدد کرو گی؟“

”دریائے سین کے کنارے“

”کون سے کنارے پر دائیں یا بائیں؟“

”نہیں؟ سین کے کنارے نہیں۔ دریائے سین تو میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔“

”تو پھر؟“

”پھر۔۔۔ ہاں بولی وارد سان ٹرمین کے قوہ خانہ ”امن“ میں۔“

”مجھے لکھ کر دے دو۔“

”نہیں! یہ بھی نہیں۔“ اس نے پھر ارادہ بدل دیا۔ ”اس قوہ خانہ میں کبھی بھر جگہ نہیں ملتی ہمیشہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔“

”میرا خیال ہے میں تمہیں سرے سے گھری ٹھانے جانے دوں۔ شیشن سے میدع دریائے سین پر چلے چلیں گے۔“

”نہیں نہیں“ پاسکل نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ”خالہ شیشن پر آ رہی ہیں اور وہ زرا پرانے خیالات کی ہیں۔ برآ منائیں گی۔“

گاڑی ایک قصباتی شیشن پر کھڑی ہوئی اور ان کی ہم سفر تینوں راہبائیں اتلے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”بیٹی۔۔۔“ ان میں سے ایک راہبہ نے بڑے پیار سے پاسکل کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”آنفل ٹاور کے نیچے ملنے میں کیا قباحت ہے؟“

”خدا وند یسوع تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔“ باقی دو راہباؤں نے ڈبے سے باہر جاتے ہوئے انہیں دعا دی۔

گاڑی دوبارہ چلی تو پاسکل بے اختیار ہنس دی۔

”اس راہبہ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ آنفل ٹاور لزکوں کو ملنے کے لیے بہترن جگہ ہے؟“

”وہ بے چاری پیدا ہوتے ہی راہبہ تو نہیں بن گئی تھی نا؟ درمیانی و قنے میں شاپ کوئی دل شکن واردات قلب ہوئی اور اسے مجبوراً راہبانیت اختیار کرنی پڑی۔“

جبکہ حال مجھے آنفل ناور کا بالکل خیال نہ آتا اگر یہ محترمہ اس کا مشورہ نہ دیتیں۔ مناسب جگہ ہے۔“

”بس تو پھر طے ہو گیا۔ ہماری گاڑی پورے پانچ بجے پیرس پہنچے گی۔“ سان نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا ”اور میں آج شب پورے سات بجے دریائے میں کے کنارے آنفل ناور تلتے تمہارا انتظار کروں گا۔“

”میں پونے سات بجے ہی پہنچ جاؤں گی۔“ اس نے شوختی سے کہا ”اور ہاں میں آج شام کیا پہنچ کر آؤں؟“

”کوئی لباس“

”لیکن کس رنگ کا؟ تمہیں کون سارنگ پسند ہے؟“

”مجھے جو رنگ پسند ہے وہ تمہاری آنکھوں میں ہے۔“

”یعنی تمہیں بھورا رنگ پسند ہے“ پاسکل کا چہرہ شرارت سے دمک رہا تھا۔

”کمال ہے۔“ سان نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”کل شب تو نیلی تمہیں۔ آج ان کا

رنگ بھورا ہو گیا ہے۔ میں کلر بلاستڈ تو نہیں ہو گیا۔ ایک مرتبہ پھر دیکھے لوں؟“

”دیکھے لو۔“ پاسکل نے اپنی لامبی ٹلکیں اور پر اٹھا دیں۔

سان قدرے گھبرا گیا۔ لڑکیوں کے معاملے میں وہ بے حد ناجربہ کار تھا اور اس

طرح کے روایتی پیار کے انداز اسے بالکل پسند نہ تھے اس نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔

سان نے ایک نظر پاسکل پر ڈالی جو آنکھیں مکھو لے اس کی جانب پہنچ دیکھ رہی

تمی اور آہستہ سے کہنے لگا۔ ”بس دیکھ لیں۔“

”پھر؟“

”کون سارنگ ہے۔“

”اچھی طرح دیکھ نہیں پایا۔“

”کیا؟“

”تمہاری آنکھوں کا رنگ۔ میرا مقصد تمہاری آنکھوں میں جھانکنا تھا۔ میں نے

اتی کالی بھور آنکھیں آج تک کسی کی نہیں دیکھیں۔“

”تقریباً تمام پاکستانی لڑکوں کی آنکھیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔“ سنان نے جھینپ کر

کہا۔

”جھوٹ۔“ پاسکل نے مچل کر کہا۔ ”نو ہنگام کی آدمی آبادی پاکستانیوں پر مشتمل

ہے۔ ان میں سے کسی کی بھی آنکھیں تمہاری ایسی نہیں۔“

”تم وہاں ان کی آنکھوں میں جھاکتی رہتی ہو؟“

”نہیں ایسا تو نہیں۔ ڈینڈی ڈئیر کبھی کبھی مجھے شام کے کھانے کے لیے کسی پاکستانی

ریستوران میں لے جاتے ہیں۔ وہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ویٹر پاکستانی ہوتے ہیں
تاں!“

”پاکستان کے بارے میں ریستورانوں کے علاوہ اور تمہاری کیا معلومات ہیں؟“

”میں نے رذیارڈ کپلنگ کی کتاب ”Kim“ پڑھی ہے جس کا آغاز اس فرقے

سے ہوتا ہے کہ کم لاہور عجائب گھر کے سامنے بڑی توپ زمزمه پر بیٹھا تھا۔“

”اور کچھ؟“

”اوہ یہ کہ کپلنگ لاہور کی بادشاہی مسجد کے مینار پر بیٹھ کر خوبصورت نظیں

تجھلیق کیا کرتا تھا۔“

”کپلنگ کو فرانس سے بھی اتنی ہی محبت تھی جتنی میرے شر لاہور سے۔“

”وہ کیسے؟“

”اس نے کہا تھا کہ ہر وہ شخص جو انسانیت کا ہمدرد ہے فرانس سے محبت کرتا

ہے۔“

”لاہور اور فرانس۔“ پاسکل مسکرانے لگی۔

سنان نے اسے بتایا کہ اس اخبار کا دفتر اس کے گھر کے پبلو میں واقع ہے جہاں

پر کسی زمانے میں کپلنگ کام کرتا تھا۔ اس دفتر کے ایک چوکیدار کا محبوب مشغله غیر
ملکی سیاحوں کے ہاتھوں وہ واحد میز فروخت کرتا ہے جس پر بیٹھ کر کونگ نے اپنے

لازوں ناول تصنیف کیے۔ اب تک وہ چوکیدار ایسی بیس میزیں فروخت کر چکا ہے۔
”ہمارے ہاں بھی پولین کی ڈائری سینکلروں بار فروخت ہو چکی ہے“ پاسکل نے

تباہ۔
”یعنی پاکستان کے بارے میں تمہاری معلومات پاکستانی دیلوں اور ناول ”کم“ تک
محدود ہیں۔“

”اس کے علاوہ“ اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچتا شروع کر دیا۔ ”ہاں! میں نے
شایمار باغ کے بارے میں ایک نظم پڑھی ہے۔ اور اور۔ میرے پاس نو نگہم میں
ایک پاکستانی دستکاری کی دکان سے خریدا ہوا ایک زیور بھی موجود ہے۔“

”ہاں! کانوں میں ڈالتے ہیں۔ دکاندار کہہ رہا تھا کہ سبھی پاکستانی عورتوں کے
کانوں میں پیدا ائشی طور پر سوراخ ہوتے ہیں جن میں ائیر رنگ لٹکا لے جاتے ہیں؟“
”وہ دکاندار جسمیں مشرق کے جادو نے مسحور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سوراخ
پیدا کی طور پر نہیں ہوتے بعد میں چھیدے جاتے ہیں۔“

”تمہاری زبان میں ان ائیر رنگز کو کیا کہتے ہیں؟“
”جمیکے“

”جمیکے کے؟ بہت خوبصورت نام ہے۔ میں آج شام پہن کر آؤں گی۔
چاندی کے ہیں۔“

سان ان اس کی معصومیت پر مسکرا دیا۔ وہ یقیناً ان جھمکوں میں خوبصورت لگے گی۔

”پورے سات بجے آنکھل ٹاور تلتے۔“ سان نے ایک مرتبہ پھر دہرا دیا۔

”پونے سات بجے۔“ پاسکل شرارت سے ہنس دی اور بکوں کی طرح پھر سر
ہلانے لگی۔

گاڑی وقت مقررہ سے دس منٹ قبل ہی پرس کے سینٹ لازار شیش کے گندے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی۔

وہ دونوں ڈبے سے باہر نکلے تو سامنے پاسکل کی فربہ مگر خوش شکل خالہ کمنی ٹھیں جو اسے دیکھتے ہی ”پاسکل متوالیری“ کہہ کر لپٹ گئیں۔ سنان کو چونکہ اس سے پہلے فراصی خالاؤں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لیے وہ یہ خطرہ مول لیے بغیر اپنا سامان اٹھا کر شیش سے باہر آگیا۔ سامنے کی عمارت میں ”دفتر معلومات“ تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ لیپشن پر ایک کالے بالوں والی پستہ قد فراصی لوگی درجن بھر سیاحوں کو پرس میں قیام کے لیے ہوٹل اور قابل دید مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کر رہی تھی۔

سنان کا طریقہ سفر عام سیاحوں سے بے حد مختلف تھا۔ اس نے کبھی بھی منزل کا تعین نہ کیا تھا۔ ایک گاڑی پر سوار ہوئے۔ راستے میں کوئی خوبصورت قصبه یا گاؤں دکھائی دیا تو وہیں اتر گئے۔ کسی دوسرے سیاح نے خبر دی کہ فلاں جگہ آج کل جشن ہو رہا ہے تو وہاں پہنچ گئے۔ راہ چلتے کسی نے کار میں لفت دے دی تو اس کے ساتھ ہو لیے چاہے اس کی منزل کوئی بھی ہو۔ اس طرح سفر کرنے میں جہالت نے لوگوں اور انجانے شروں کو دیکھنے کا موقعہ ملتا وہاں کئی صعبوںیں بھی اٹھانی پڑتیں۔ مثلاً کسی ایسی جگہ رات ہو گئی جہاں شب بسری کا مناسب انتظام نہ ہوا اور رات فٹ پاٹھ پر کاٹنی پڑی۔ کسی نے آبادی سے کوسوں دور کسی ویرانے میں اتار دیا۔ ان مصیبوں کے پیش نظر اس نے ایک چھوٹا سا خیزہ اور کھانے پکانے کا مختصر سامان خرید لیا تھا۔ جہاں

ہوٹل میں جگہ نہ ملی وہاں "کمپنگ گراؤنڈ" میں چلے گئے اور اپنا چھوٹا سا گھر تیار کر لیا۔ "کمپنگ گراؤنڈ" یورپ کے ہر شر اور قبیلے میں موجود ہیں اور وہاں ہر قسم کی آسائشیں میا کی جاتی ہیں۔ سنان کا ارادہ تھا کہ پیرس میں کمپنگ کی بجائے ہوٹل میں ہی تھرا جائے چنانچہ اس نے کاؤنٹر کے پیچے لڑکی سے اس بارے میں دریافت کیا۔

"آپ کو زیادہ سے زیادہ کتنے کرنے کا ہوٹل درکار ہے؟" لڑکی نے میز پر پنل بجاتے ہوئے پوچھا۔

"میں کوئی دس فرائک روزانہ کا۔"

لڑکی کے ہاتھ سے پنل گرتے گرتے بھی۔

"دوس فرائک؟ ناممکن۔ ہاں البتہ تیس فرائک میں شاید" لڑکی نے سنان کی طرف ایسے دیکھا جیسے کہ رہی ہو کہ اے فقیر تم پیرس میں ہو اور یہاں ہوٹل ہوتے ہیں دھرم شالے نہیں۔

"یہ تو بہت زیادہ کرایہ ہے۔" سنان نے اپنے بڑھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر کر سر ہلاایا۔

"وہ تو ہے۔" لڑکی نے بے چینی سے سنان کے پیچھے جمع سیاحوں کے ہجوم کی طرف دیکھتے ہوئے لاپرواں سے جواب دیا۔

کمپنگ گراؤنڈ میں ہی چلا جائے وہاں خیمه لگانے کا کرایہ صرف دو فرائک یومیہ ہو گا۔ سنان نے فیصلہ کیا۔

"تو پھر پیرس میں کمپنگ گراؤنڈ کا پتہ دے دیجئے میرے پاس خیمه بھی ہے۔" لڑکی نے فوراً میز کی دراز سے پیرس کا تفصیلی نقشہ نکالا اور ایک لکنے پر سرخ پنل سے سنان لگا کر سنان کو تھا دیا۔ "بوئے ڈی بولون کمپنگ" ڈرام سڑک کے اس پارٹے گی۔ نسلی کے پل پر اتر جانا وہاں سے قریب ہی ہے۔"

سنان نے نقشہ جیب میں ڈالا اور لڑکی کا شکریہ ادا کر کے ڈرام شیشن پر چلا گیا

تمہوڑی دیر بعد ایک دیانوی تم کی ٹرام وہاں آ کر رکی۔ نان نے نقشہ جیب سے نکال کر کندکڑ کے سامنے کر دیا "کمپنگ" کندکڑ نے "ودئی" کا نعروہ لگایا اور نان کو سامان سمیت ٹرام کے اندر سمجھ لیا۔ ٹرام کچھ بھری ہوئی تھی اس لیے اس نے سامان دروازے کے پاس ہی رکھ دیا اور خود بھی وہیں کھڑا ہو گیا۔ یہ پیرس میں رش کے اوقات تھے۔ لوگ اپنے دفتروں، کارخانوں اور کاروباری اداروں میں کام سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ "نیولی" کا پل آیا تو کندکڑ نے اسے اتار دیا۔

نان کچھ دیر تو ٹرام شیشن پر کھڑے ہو کر کمپنگ کو جانے والی سڑک کا تعین کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہاں تو کمی سڑکیں تھیں۔ وہ سڑک پار کر کے چوک میں کھڑے نہیں وروی میں ملبوس فرانسیسی ٹرینک پولیس کے سپاہی کے پاس چلا گیا اور اس کو نقشہ دکھا کر کمپنگ کو جانے والی سڑک کے بارے میں استفسار کیا۔ سپاہی نے جو اب تک منہ میں گھیڑی ہوئی سیئی لگاتار بجا رہا تھا۔ سیئی جیب میں رکھی۔ اپنی ٹوپی درست کی اور نقشہ ہاتھ میں لے کر اسے بے حد غور سے دیکھنے لگا۔

"آہا کمپنگ۔" سپاہی نے نان کے کندھے پر دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

"بالکل کمپنگ۔" نان نے جواباً سپاہی کے کندھے پر دھپ لگاتے ہوئے خوش دل سے کہا۔

سپاہی فوراً سنجیدہ ہو گیا اور اسے راستے کے بارے میں بتانے لگا۔ "مفتگو فرانسیسی زبان میں ہو رہی تھی اور نان چونکہ کالج میں فرانسیسی کے پہلے پیریڈ کے بعد ہی "ٹیبل" جیسے سیدھے سادے لفظ کی ادائیگی "لاماتلو" وغیرہ نہ کر سکتا تھا اس لیے یہاں بھی سپاہی نے جو کچھ کہا اس کے پلے نہ پڑا۔ اور وہ ہدایتیں سننے کی بجائے اس کے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھوں کے اشارے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ خاصی دیر کی خونگوار گپٹ پ کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ کمپنگ نیولی کے پل کے ساتھ دریائے سین کے کنارے کنارے جاتی ہوئی سڑک کے آخر میں واقع ہے۔ فاصلے کا تعین پھر بھی نہ ہو سکا۔

سنان نے پاہی کا شکریہ ادا کیا اور دریائے سین کے اوپرے کنارے کے ساتھ بنے ہوئے چوڑے فٹ پاٹھ پر چلنے لگا۔

یہ "بوبے ڈی بولون" تھا جس کا شمار شر کے خوبصورت ترین علاقوں میں ہوتا ہے۔ پیرس کی یہ مشہور زمانہ بستی دریائے سین کے خاموش پانیوں کے پہلو بہ پہلو میلوں تک چلی جاتی ہے۔ نیچے دمبا کی جانب جھانکئے تو کنارے پر چھوٹے چھوٹے مکان نظر آتے ہیں جن کے خوبصورت باغیچے پانی کی سطح تک چلے گئے ہیں۔ ان مکانوں کے ماںک پیرس کے امیر ترین افراد ہیں جو صرف تقطیلات کے دوران میں شر کے ہنگاموں سے دور یہاں پر آبنتے ہیں۔ کئی جگہوں پر کنارے کے ساتھ گھاس کے ہرے بھرے قطعات تھے جن کے آگے رہائشی کھنکیاں یعنی ہاؤس بوٹ تیر رہے تھے۔ سنان نے اپنے قدم تیز کر دیئے۔ وہ جلد از جلد کمپنگ تک پہنچ جانا چاہتا تھا مگر اپنا خیر نصب کر کے فوراً آنفل ناول کی طرف چل دے جہاں پاسکل نے اسے سات بجے ملنا تھا۔

فٹ پاٹھ کے پہلو میں ایک سفید آہنی چھانک نظر آیا تو سنان نیچے اترتی ہوئی پتھر کی بیڑھیوں کے آخر میں واقع ایک خوبصورت رہائشی مکان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے رک گیا۔ جو نی اس نے چھانک پر ہاتھ رکھا مکان کے صدر دروازے کے سامنے کھڑا ایک خونخوار کتا غرایا اور ایک ہی جست میں چھانک تک آپنچا۔ سنان فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ کتا چھانک کی آہنی سلاخوں میں اپنی تھو تھنی گھمیرے سنان تک پہنچنے کی ٹاکام کو شش کر رہا تھا۔ سنان نے ایک جھر جھری سی لی اور آگے بڑھ گیا۔ چونکہ ان مکانوں کے ماںک یہاں صرف عارمنی طور پر رہائش پذیر ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی غیر موجودگی میں چوکیدار کا کام ایسے کشوں کے سپرد کر جاتے ہیں۔

مکانوں اور ہاؤس بوٹوں کا سلسلہ ختم ہوا تو دریا کے کنارے ایک وسیع اور سربرز سیر گاہ دکھائی دی جہاں شاہ بلوط اور بید کے درختوں کی چھاؤں میں چند بوڑھے مجھلی کے ٹکار میں مشغول تھے۔ ہر طرف مکمل سکون تھا۔ سنان نے سوچا کہ اگر ہو سکا تو

بیرس میں قیام کے دوران میں وہ ضرور آجھے وقت نکال کر اس پر سکون فنا میں چڑرا
گزارے گا۔

بانیں بازو پر بیرس کے متول لوگوں کے سفید برائق مکانوں کی قطاریں تھیں؛
نازک فرانسی طرز تعمیر کے دل کش نمونے تھے۔ خوبصورت آہنی جنگلوں کی پالکوں پر
خوشناک تکرے اور شیشے کی بڑی بڑی کمرے کیاں بے حد دیدہ زیب لگ رہی تھیں۔

پورے دو میل پیدل چلنے کے بعد جب سنان کمپنگ گراونڈ کے دفتر میں داخل
ہوا تو وہ حکمن سے مذہل ہو رہا تھا۔ کمپنگ کیا تمی دریا کے کنارے پورا شر آیا
تھا۔ ایک وسیع پر شور جہاں سوئی سے لے کر موڑ سائیکل تک دستیاب تھے
رسٹوران، قبوہ خانے، باورچی خانے، کپڑے دھونے کے کمرے، صاف سحرے محل
خانے اور پوری گراونڈ میں پھیلی ہوئی کشاورہ سڑکیں جن کے ساتھ ساتھ مختلف
سائزوں کے ہزاروں خیمے نصب تھے۔ کارروائی بھی نظر آرہے تھے جنیں چلا پہن
گھر کہنا مناسب ہو گا۔ انہیں کار کے پیچے باندھ کر سیاحت پر نکلنے جہاں رات ہوں
سڑک کے کنارے کھڑا کر کے گھر جیسا آرام پائیے۔ کمپنگ کے درمیان میں لوہے
کے ایک بلند ڈنڈے پر فرانس کاسہ رنگا پرچم لہرا رہا تھا۔ سنان دفتر میں اپنا نام پڑہ دیکھو
درج کروانے کے لیے داخل ہوا تو وہاں بے شمار سیاح جمع تھے۔ سنان کی باری آئی۔
اس نے فیجر سے اپنا خیر لگانے کے لیے جگہ کے بارے میں پوچھا۔

”مجھے شیشن پر آپ کی کمپنگ کا پتہ۔“

”ہاں ہاں۔“ اس نے بات کاٹ کر کہا۔ ”خواہ خواہ بیچ دیتے ہیں۔“

”لیکن میرا خیمہ تو نہایت چھوٹا سا ہے۔ کسی کوئے کھدرے میں فٹ ہو جائے
گا۔“ سنان نے گھبرا کر کہا۔

فیجر خاموشی سے رجڑ پر جھکا خانہ پری میں معروف رہا۔

”دیکھیے میں نے آج شام سات بجے ایک خاتون سے ملنا ہے۔ اگر میں رہائش کی تلاش میں واپس شرگیا تو یقیناً دیر ہو جائے گی۔ چھ بجنتے والے ہیں۔“

”ہا۔“ فیجر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”خاتون کو ملنے جانا ہے ہوں! جانے ہماری موجودہ نسل کو کیا ہو گیا ہے لڑکیوں کے چکروں میں ہی پڑے رہتے ہیں!“

”لیکن یہ عام لڑکی تو نہیں۔“ سنان نے کہا۔ ”مجھے ہر صورت۔“

”میں نے کہہ دیا تھا۔ کوئی جگہ نہیں۔“ فیجر نے رجڑ سے سراخا کر کہا۔

”موسیو! تم جیسے نوجوان کو پیرس جیسے شر میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہو گی۔ یہ نہیں اور سی۔“

”پلیز۔“ سنان نے آخری بار انجاکی۔

”دیکھو۔“ فیجر نے خوشی سے کہا۔ ”میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ تم گراڈنگ چار دیواری کے باہر خیمن لگالوں میں معرض نہیں ہوں گا۔ کل صبح شاید جگہ نکل آئے۔“ پھر تم اندر خیمه نصب کر لینا۔“

سنان بایوس ہو کر دفتر سے باہر آگیا۔ گراڈنگ کے باہر خیمن لگانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ خیمن لگا کر اپنا سارا سامان اس میں رکھ کر شر جائے اور اس کی غیر حاضری میں کوئی فاقہ زدہ سیاح مزے سے سب کچھ سمیٹ کر چپت ہو جائے! باہر نکلتے وقت فیجر نے اسے پیا تھا کہ اگرچہ پیرس پر سیاحوں کی بے پناہ یلغار کی بنا پر تمام ہوٹل بھرے پڑے ہیں مگر شر کے قدم علاقے موارت میں اگر تلاش کی جائے تو شاید کسی پرائیوریت ہوٹل یا گھر میں جگہ مل جائے۔ عام حالات میں شاید وہ اتنا بد دل نہ ہوتا مگر اسے رہ کر اس بات کا خیال آ رہا تھا کہ اسے کہیں آنکھل ٹاور تک پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے۔ بھر حال اس نے ہمت نہ ہاری اور ایک مرتبہ پھر اپنا سامان اٹھا کر واپس نولی کے پل کی جانب چل دیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلنے پیا تھا کے ایک کار اس کے پہلو میں آ رکی۔ کار میں دو سیاح لڑکیاں اور ایک ہسپی لڑکا سوار تھے۔

”تم اگر شر جانا چاہتے ہو تو ہم بھی ادھر ہی جا رہے ہیں۔“ ایک لڑکی نے شیشه